کتابوں اور کتاب خانوں سے مولانا شبلی نعمانی کی دلچسپی

ضیاء الدین اصلاحی

علم ومطالعہ کا شوق، کتب بینی سے دلچسپی اور نادر ونایاب کتابوں کی تلاش وجستجو اور ان کی فراہمی کا جذبہ مولانا شبلی نعمانی کے خمیر میں داخل تھا، وہ اپنے ایک عربی مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں

''میں بحمد للہ اس طرح بنا ہوں کہ فضل وکمال کے حصول کا جذبہ میرے خون میں ملا ہے''(۱)۔

ان کو بچپن ہی سے کتب بینی کا نہایت شوق تھا، جب اعظم گڑھ میں ابتدائی کتابیں پڑھتے تھے تو روزانہ ایک کتب فروش کی دکان پر جا کر فارسی کی کتابیں دیکھا کرتے تھے، ایک روز ان کے والد نے کتب فروش کی دکان پر دیکھا تو منع فرمایا، اس کے بعد وہ دکان سے گھرا کر کتابیں دیکھنے لگے، مزے کی بات تو یہ تھی کہ باوجود اس شوق کے کتاب کا مطلب نہیں سمجھتے تھے، فرماتے تھے کہ صفحے کے صفحے پڑھ جاتا تھا لیکن صرف ایک آدھ لفظ اور ایک آدھ شعر سمجھ میں آتی تھی اور اسی کو غنیمت سمجھتا تھا(۲)۔

وہ جب امانت (۳) کا کام کرتے تھے اور گھوڑے پر سوار ہو کر دیہاتوں کا دورہ کرتے تھے تو دیوان حماسہ ان کے ساتھ رہتا تھا جہاں ذرا سا آرام لینے کا موقع ملتا تو اس کا مطالعہ شروع کر دیتے، کمسنی میں والد اور خاندان کے لوگوں کے ساتھ حج وزیارت کے لئے گئے، مدینہ منورہ میں حاضری ہوئی تو وہاں کے کتب خانوں کی بھی سیر کی انہوں نے احادیث کی کتابوں کا سب سے بڑا ذخیرہ ان ہی کتب خانوں میں دیکھا تھا۔

علم ومطالعہ اور کتب بینی کا ذوق اس قدر بڑھا ہوا تھا کہ جب علی گڑھ تشریف لے گئے تو ان کے اس شوق کی وجہ سے سرسید احمد خان مرحوم نے انہیں اپنے کتب خانہ کی کتابیں دیکھنے کی عام اجازت دے دی تھی، وہ الماریوں کے سامنے گھنٹوں کھڑے رہتے، کبھی تھک کر زمین ہی پر اکڑوں بیٹھ جاتے، سرسید نے جو یہ کیفیت دیکھی تو سامنے کرسی رکھوادی چنانچہ ایک خط میں تحریر فرماتے ہیں:

''سید صاحب نے اپنے کتب خانہ کی نسبت عام اجازت مجھ کو دی ہے اور اس وجہ سے مجھ کو کتب بینی کا بہت عمدہ موقع حاصل ہے، سید صاحب کے پاس تاریخ وجغرافیہ عربی کی چند ایسی کتابیں ہیں جن کو میں کیا بڑے بڑے لوگ نہیں جانتے ہوں گے، مگر یہ سب کتابیں یورپ میں طبع ہوتی ہیں، مصر کے لوگوں کو بھی نصیب نہیں''(۴)۔

علی گڑھ میں مولانا کے ایک دوست بھی ان کے پاس کتابیں بھیج دیتے تھے اور وہ نہایت شوق سے ان کا مطالعہ

کرتے تھے۔علی گڑھ سے مولانا کی زندگی کا نیا دور شروع ہوتا ہے، ان کی شاعری کا موضوع اور تصنیف ومطالعہ کا محور تبدیل ہوجاتا ہے، تاریخ اسلام پر نئے سرے سے اور نئے زاویے سے نظر ڈالتے ہیں، یورپ کے خیالات اور علمی تحقیقات سے آگاہی ہوتی ہے۔اس زمانہ کے علماء پر مدرسیت اتنی چھائی ہوئی تھی کہ ان کی نظر درسی کتابوں اور ان کے شروح وحواشی سے آگے نہیں بڑھتی تھی، زیر درس کتابوں کے علاوہ کسی نئی کتاب کا دیکھنا، کسی اور علم وفن کی کتاب سے استفادہ، قلمی کتابوں کی تلاش اور نوادر کتب کے مطالعہ کا شوق عموماً ناپید تھا، مولانا کو اللہ تعالیٰ نے اس کا فطری ذوق عنایت کیا تھا، انہوں نے ہر علم وفن کی بکثرت کتابیں مطالعہ کیں، نوادر کتب بہ کثرت بہم پہنچائے، کتب خانے چھانے، دنیا کے کونہ کونہ سے مطبوعات منگوائے۔ ادب، محاضرات، فتوح، تاریخ، رجال، فلسفہ، منطق، کلام کا بڑا سرمایہ جمع کیا اور اپنی تصانیف اور مضامین میں ان کے حوالے دیئے، نصاب تعلیم میں ان میں سے بعض کو داخل کیا، طلبہ اور علماء کو ان کے مطالعہ کی ترغیب دی اور اپنے شاگردوں اور ہم نشینوں میں اس کا ذوق پیدا کیا، ندوۃ العلماء کے ایک سالانہ اجلاس میں علامہ کے فرائض پر تقریر کرتے ہوئے خاص طور سے ادھر توجہ دلائی، ان کو یہ دیکھ کر دلی تکلیف ہوتی ہے کہ یورپ کے مستشرقین جن کو اسلام سے کوئی واسطہ نہ تھا، وہ تو مسلمانوں کے علوم وفنون کی نادر کتابوں کی فراہمی، تصحیح وتحشیہ اور اشاعت میں ایسی جانفشانیاں دکھا رہے ہیں اور مسلمان علماء جو ان علوم کے اصل وارث تھے ان کو اپنے ان خزانوں کی خبر نہیں، چہ جائیکہ ان کی تلاش وتصحیح ومطالعہ واشاعت کی زحمت اٹھائیں (۵)۔

علی گڑھ جاکر مولانا مصر کی نئی عربی مطبوعات اور تصنیفات سے واقف ہوئے اور ان سے ان کو خاص دلچسپی پیدا ہوئی، ان کے پاس مصر وشام کے مصنفوں اور ادیبوں کی کتابیں براہ راست آتی تھیں اور وہ خود بھی وہاں سے ہر نئی کتاب جو مطبع سے چھپ کر نکلتی تھی منگوایا کرتے تھے، جدید فلسفہ، جدید ہیئت، جدید طبعیات اور عربی صرف ونحو وبلاغت پر نئی طرز کی جو کتابیں لکھی جاتی ہیں وہ ان کے پاس پہنچتی تھیں، اسی طرح قدماء کی تصانیف جو متاخرین کی کتابوں کا ماخذ ہیں، مولانا ان کے پورے قدرداں تھے، وہ جہاں سے مل سکتیں ان کو منگواتے تھے اور پڑھتے تھے، قلمی کتابیں ہوتیں تو ان کی نقلیں لیتے تھے، اسی طرح کئی عربی اخبار اور رسالے بھی ان کے پاس آتے تھے جن کے نام سے نہ تو عام عربی داں اکثر حضرات سے واقف تھے اور نہ انہی سمجھا سکتے تھے مولانا سید سلیمان ندوی نے لکھا ہے:

''عربی اخباروں اور رسالوں کا پڑھنا اور سمجھنا اس زمانہ میں ہر مولوی کا کام نہ تھا، تمام ہندوستان میں شاید مولانا پہلے شخص تھے جنہوں نے ان کو پڑھنا اور سمجھنا شروع کیا بلکہ الہلال وغیرہ مصر کے عربی رسالوں میں ان کے مضمون بھی چھپتے تھے'' (۶)۔

کتابوں اور نوادر سے بڑھی ہوئی دلچسپی کی بناء پر وہ تمام عمر کتب خانے کھنگالتے رہے، ملک کا شاید ہی کوئی اہم کتب خانہ ہو جہاں وہ تشریف نہ لے گئے ہوں رضا لائبریری رام پور، خدا بخش لائبریری پٹنہ، کتب خانہ آصفیہ حیدرآباد، ایشیاٹک سوسائٹی کلکتہ، جامع مسجد بمبئی، لکھنو میں مولوی حامد حسن صاحب کا کتب خانہ اور لوگوں کے ذاتی کتب خانے بار بار

دیکھے، جس شہر میں جاتے تھے تو وہاں اگر کتابوں کا کوئی ذخیرہ کسی کے پاس ہوتا تو اس کو جا کر ضرور دیکھتے (۷)۔

رام پور کے کتب خانے سے مولانا کا تعلق گہرا تھا، وہ طالب علمی میں یہاں مولانا ارشاد حسین صاحب کے حلقہ درس میں بیٹھ کر فقہ واصول کا درس لے چکے تھے، جن سے ان کو وابستگی تا عمر رہی، نواب مشتاق علی خاں کے زمانے میں ریاست کا نظم ونسق جنرل عظیم الدین خاں مدار المہام کے ہاتھ میں تھا، وہ بڑی شان وشوکت اور رعب ودبدبہ کے آدمی تھے، مدرسہ عالیہ رام پور کی تنظیم ان کا اہم کارنامہ ہے، اس کا سالانہ امتحان لینے اور مدرسہ کے متعلق رائے دینے کے لئے جنرل صاحب نے جن علماء کو مدعو کیا، ان میں ایک مولانا شبلی بھی تھے، مولانا کی دلچسپی کی بڑی چیز وہاں کا کتب خانہ تھا، ''المامون'' کی اشاعت ہی سے لوگوں کو اندازہ ہو گیا تھا کہ نوادر کتب سے نہ صرف مولانا کو واقفیت بلکہ عشق ہے، اس لئے نوادر اور قلمی کتابوں کی قدر وقیمت اور ترتیب کے لئے وہی سب سے موزوں نظر آئے اس لئے جنرل صاحب نے ۱۸۸۸ء میں مولانا سے اس کتب خانہ کی ترتیب واصلاح وترقی پر ایک مفصل رپورٹ لکھنے کی خواہش ظاہر کی۔ چنانچہ مولانا نے تین روز وہاں رہ کر اور کتب خانہ کو ہر طرح دیکھ کر ایک رپورٹ لکھ کر پیش کی، اس میں الماریوں کی ترتیب، فہرست لکھنے کا طریقہ، کتابوں پر نمبر ڈالنے کی کیفیت، نوادر کے انتخاب اور حفاظت کے طریق اور دوسری ضروری ہدایات درج فرمائیں اور منشی امیر احمد مینائی نے فہرست کا جو نمونہ بنایا تھا، اس کو کسی قدر اصلاح کے بعد پسند فرمایا اور اسی طریق پر پورے کتب خانہ کی کتابوں کی از سر نو ترتیب کا مشورہ دیا۔ کتاب خانہ کی ترتیب میں سب سے بڑی خرابی یہ تھی کہ کتابیں حروف تہجی کے اعتبار سے ترتیب دی گئی تھیں جس کا نتیجہ یہ تھا کہ کلیات رند اور کتاب الخراج قاضی ابو یوسف دونوں ایک صف میں تھیں، مختلف علمی رسائل کے مجموعے بے جوڑ رسالوں کے ساتھ مجلد تھے، نوادر کا انتخاب صرف خوش خطی اور حسن ظاہری کی بناء پر کیا گیا تھا اور اچھی اچھی کتابیں چھانٹ دی گئی تھیں، مولانا نے فن اور مطالب کے لحاظ اور دوسری معنوی خصوصیات کی بناء پر نوادر کے دوبارہ انتخاب کی رائے دی۔

نواب مشتاق علی خاں کے انتقال کے بعد کونسل قائم ہوئی، اس وقت نواب حامد علی خاں نابالغ تھے اس لئے جنرل صاحب کونسل کے صدر ہوئے تو مولانا شبلی کی تجویزوں پر پوری طرح عمل ہوا، فن وار رجسٹر بنائے گئے اور ۱۸۹۱ء میں کتب خانہ کے لئے ایک نئی عمارت کی بنیاد ڈالی گئی اور ۳۱/ مارچ ۱۸۹۲ء کو اس کا باقاعدہ افتتاح ہوا۔

مولانا سید سلیمان ندوی نے مولوی امتیاز علی خاں عرشی سابق ناظم کتب خانہ کے حوالے سے لکھا ہے کہ مولانا کی تجویزوں پر عمل کیا گیا، کتابیں زبان اور فن پر منقسم ہوئیں، متعدد مجموعے بھی از سر نو مرتب کئے گئے۔

مولانا شبلی کئی بار کتب خانہ دیکھنے گئے اور اس سے فائدہ اٹھایا، سب سے آخری بار ۶/ اپریل ۱۹۱۴ء کو اسے ملاحظہ فرمایا اور اپنے ہاتھ سے اس پر چند سطریں لکھیں جن میں اس کتب خانہ کی اہمیت کا اعتراف فرمایا، مولانا کی روداد اور معائنہ معارف اعظم گڑھ اکتوبر ۱۹۳۴ء میں چھپے ہیں۔ مولانا نے جس زمانے میں کتب خانہ رام پور کی ترتیب اور فہرست سے متعلق رپورٹ لکھی، اس وقت مشرقی کتب خانے نئی ترتیب سے نا آشنا تھے اور علماء کے سامنے اس کا کوئی نمونہ نہ تھا (۸)۔

مولانا شبلی کو الفاروق کی تصنیف کا خیال تھا تو اپنے ملک کے کتب خانے اس کے لئے ناکافی معلوم ہوئے اس لئے مصر و قسطنطنیہ کا سفر کیا۔ یہ ہندوستان کی عملی تاریخ میں ممالک اسلامیہ کا غالباً پہلا سفر ہے جو محض ذوق علم کے لئے کیا گیا تھا، فرماتے ہیں:

''جس زمانے میں مجھ کو ہیروز آف اسلام کا خیال بھی آیا کہ ہمارے ملک میں جس قدر تاریخی سرمایہ موجود ہے، وہ اس مقصد کے لئے کسی طرح کافی نہیں ہوسکتا، یہی خیال تھا کہ جس نے اول اول اس سفر کی تحریک دل میں پیدا کی، کیونکہ یہ یقین تھا کہ مصر و روم میں اسلامی تصنیفات کا جو بقیہ رہ گیا ہے ان سے ایک ایسا سلسلہ تالیف ضرور تیار ہوسکتا ہے'' (۹)۔

قسطنطنیہ میں کتب خانے نہایت دور دور واقع تھے، مولانا پیدل جاتے تھے اور ان کو دیکھتے تھے، اپنے والد کو ایک خط میں تحریر فرماتے ہیں:

''کتابیں نہایت عجائب و غرائب ہیں، لیکن حسرت کے سوا کچھ حاصل نہیں، نہ نقل ہوسکتی ہے نہ حافظہ ان کے لئے کافی ہے، میں ہر روز دو تین میل پیادہ سیر کرتا ہوں، کیوں کہ کتب خانے دور دور واقع ہیں''۔ (۱۰)

سفرنامے میں مولانا نے یہاں کے کتب خانوں اور کتابوں کی تعداد، اہم کتب خانوں کے نام، ان کے نظم و نسق کے لئے اوقات کے نظام، کتابوں کی عمدگی اور نایابی، نایاب کتابوں کی فہرست اور کتب خانوں کی خصوصیات وغیرہ بیان کی ہیں اور آخر میں منتخب کتابوں کی اشاعت کے لئے ایک انجمن کی تشکیل پر زور دیا ہے، انہوں نے اس سفر میں بیروت اور قاہرہ کے کتب خانے بھی دیکھے اور ان کے متعلق مفید معلومات قلمبند فرمائے۔ بیروت اس زمانہ میں شام کے عرب عیسائیوں کی جدید علمی و ادبی تحریکوں کا مرکز تھا، علمی انجمنیں، ادبی مجلسیں اور نئے نئے علم و فن کے کالج، اچھے اچھے عربی مطابع قائم تھے جن سے عربی ادب کی عمدہ عمدہ کتابیں چھپ رہی تھیں اور ان ہی مطبعوں سے عربی اخبار اور رسالے نکل رہے تھے اور عربی زبان میں نئے علوم اور نئے خیالات کے لئے الفاظ ایجاد ہو رہے تھے اس لئے مولانا کا شوق علم ان کو وہاں لے گیا اور انہوں نے ایک ہفتے تک بیروت میں قیام کیا۔

بیروت جانے اور وہاں ہفتے بھر قیام کی ایک خاص وجہ شیخ طاہر جزائری مصنف ''توجیہ النظر'' کی ملاقات کا شوق تھا، کیونکہ شیخ زندہ کتب خانہ تھے، قلمی کتابوں اور کتب خانوں کی نادر کتابوں کے نام ان کی نوک زبان تھے، ان کی یادداشت میں ہر کتاب خانہ کے نوادرات کے نام درج تھے اس لئے مولانا شبلی سے بڑھ کر کون ان کا قدرداں اور عظمت شناس ہوسکتا تھا۔

مصر میں مولانا کی اصل دلچسپی کی چیز جامع ازہر تھا، مولانا نے اسی میں قیام کیا تھا لیکن یہاں تعلیم کی ابتری اور طلبہ کی دنائت و پستی دیکھ کر وہ بہت بدحظ ہوئے تھے جس کا ذکر انہوں نے اپنے سفرنامہ میں کیا ہے، اس کے علاوہ یہاں ان کی دلچسپی کا دوسرا سامان مصر کا سب سے بڑا کتب خانہ، کتب خانہ خدیویہ تھا جو اب کتب خانہ مصریہ کہلاتا ہے، وہ چونکہ قسطنطنیہ

کے کتب خانے ابھی تازہ تازہ دیکھ کر آئے تھے اس لئے جب اسے دیکھا تو اس کا موازنہ ان سے کرتے ہوئے سفرنامہ میں لکھا کہ ''ترتیب وخوش اسلوبی، زیب وزینت، حسن انتظام، خوبی عمارت میں قسطنطنیہ کے، تمام کتب خانوں سے بہتر ہے''، مولانا سید سلیمان ندوی رقم طراز ہیں:

''مولانا نے کتب خانہ کو بڑی تفصیل سے دیکھا اور ہر علم وفن کے نوادر کتب کی ایک فہرست مرتب کی، جو ان کے سفرنامہ میں موجود ہے، تاریخ وادب کے جن نادر کتابوں کو مولانا نے اس وقت چنا تھا ان میں سے اکثر آج کل چھپ چکی ہیں، البتہ تفسیر اور حدیث کی جن کتابوں کے نام لئے ہیں ان میں سے اکثر اب تک غیر مطبوعہ ہیں'' (۱۱)

یہاں بھی مولانا نے مطابع، اخبارات، انجمن، کلب، مصر کے عجائبات وغیرہ دیکھے، قدیم وجدید تعلیم کے اکابر سے ملے، نئے تعلیم یافتہ لوگوں میں سے علی پاشا مبارک، علی پاشا ابراہیم، امین بک فکری اور احمد زکی سے اور پرانے تعلیم یافتوں میں سے شیخ حمزہ فتح اللہ اور شیخ محمد عبدہ سے خاص طور پر ملے اور ان سے عربی تعلیم اور عربی مدارس کے نظام پر گفتگو کی، اسی سلسلے میں مولانا ندوی نے مولانا کے اس خاص امتیاز کا تذکرہ کیا ہے کہ:

''مصر میں عربی زبان پر جو نئے انقلابات آئے اور نئے خیالات، نئی چیزوں اور نئی باتوں کے لئے جو نئے نئے عربی الفاظ بن گئے تھے، یہاں مولانا کو ان کی واقفیت کا پورا موقع ملا اور غالباً ہندوستان کی عربی دنیا میں عربی کے نئے نئے الفاظ کی واقفیت کا پہلا براہِ راست ذریعہ مولانا ہی کی ذات تھی، مولانا نے اپنے سفرنامہ کے آخر میں بہت سے نئے الفاظ کی فہرست شامل کردی ہے'' (۱۲)۔

مولانا سید سلیمان ندوی نے لکھا ہے صحت وعلالت، سفر وحضر، جلوت وخلوت، غرض ہر حالت میں کتابیں ان کے رفیق رہتیں، وہ کتب بینی کے لئے نہایت نادر اور بلند کتابوں کا انتخاب کرتے تھے اور جو لوگ معمولی کتابوں کا مطالعہ کرتے تھے، ان کی حالت پر سخت افسوس کرتے تھے، کتابوں کا نہایت شوق تھا، مصر، بیروت، شام اور یورپ میں جو بہترین کتابیں شائع ہوتیں ان کو بہت شوق سے منگواتے اور عمدہ جلد بندھوا کر ان کو میز یا الماری میں رکھتے، قدیم قلمی کتابوں کی جستجو میں ہمیشہ مصروف رہتے اور جب کوئی عمدہ کتاب مل جاتی تو نہایت فیاضی کے ساتھ خریدتے، بہت سی قلمی کتابیں نقل کرواتے تھے اور ان پر بے دریغ روپیہ صرف کرتے تھے، کئی کتابوں کے نسخے ان کے کتب خانے میں اسی طرح دور دور سے نقل ہوکر آئے تھے، اپنے اس شوق کو پورا کرنے کے لئے ان کے پاس روپے نہ تھے، جس پر افسوس کرتے، جن نادر چیزوں کو خود نہ خرید سکتے، اپنے علم دوست رؤساء کو ان کے خریدنے کی ترغیب دیتے (۱۳)۔

مولانا کا خود ذاتی کتب خانہ بھی تھا جو ان کی خریدی اور ہدیتاً ملی ہوئی کئی ہزار کتابوں پر مشتمل تھا، جس میں اکثر کمیاب یورپ کی مطبوعات اور بعض نایاب قلمی کتابیں تھیں، جب وہ ندوۃ العلماء کے معتمد ہوکر وہاں فروکش ہوئے تو اس کے کتب خانے کا سرمایہ زیادہ نہ تھا، اس لئے پہلے اپنے ذاتی کتب خانے کو اس پر وقف کیا اور ان کی تحریک سے ان کے متعدد

دوستوں اور علم دوست رئیسوں نے بھی اپنی کتابیں ندوہ کو نذر کیں، عطیات کے علاوہ نئی کتابوں کی خریداری کا سلسلہ بھی شروع کیا اور اس کے لئے مختلف مدرسوں سے الگ روپئے رکھتے تھے، اس طرح ان کی کوششوں سے کافی کتابوں کا سرمایہ فراہم ہوگیا۔

مولانا شبلی نے ندوہ کے کتب خانے کو ترقی دینے ہی پر اکتفا نہیں کیا بلکہ ۱۹۱۰ء میں اس کے اجلاس دہلی کی سہ سالہ رپورٹ میں اس کے لئے ایک عمارت کی تجویز بھی پیش کی جس میں کتب خانے کے قیام کی ضرورت واہمیت اس طرح واضح فرمائی:

''قومی اور مذہبی ضروریات میں جس قدر ایک قومی مدرسہ، ایک قومی کالج، ایک قومی یونیورسٹی کی ضرورت ہے، اسی قدر ایک قومی کتب خانہ اعظم کی بھی ضرورت ہے۔ اگر مسلمانوں کے مذہب، مسلمانوں کے علوم، مسلمانوں کی قومی تاریخ کو زندہ رکھنا ہے تو ضرورت ہے کہ ایک ایسا کتب خانہ بہم کیا جائے، جس میں علوم مذہبی کے متعلق نادر اور بیش بہا تصانیف موجود ہوں، جس میں مسلمانوں کے خاص ایجاد کردہ علوم وفنون کا کافی سرمایہ ہو، جس میں ہر فن کے متعلق وہ تمام کتابیں موجود ہوں جو اس فن کے دور ترقی کے مدارج ہیں، جس میں قدماء کے عہد کی یادگاریں ہوں اور ان سب باتوں کے ساتھ یہ کتب خانہ کسی کا ذاتی نہ ہو، بلکہ وقف عام ہو، تاکہ تمام ہندوستان کے مسلمان اور بالخصوص مصنفین اور اہل قلم اس سے فائدہ اٹھا سکیں۔ یہ تجویز کہ ندوہ میں ایک دائرہ تالیف قائم کیا جائے، جس کے ارکان کا کام صرف مطالعہ کتب اور تصنیف وتالیف ہو، جس طرح یورپ میں اکاڈمیاں ہوتی ہیں، یہ بھی اسی وقت پوری ہوسکتی ہے جب ایک عظیم الشان کتب خانہ قائم کردیا جائے''۔ (۱۴)

اسی موقع پر مولانا شبلی کے ایما سے مولانا سید سلیمان ندوی نے ''ندوہ میں ایک عظیم الشان کتب خانہ کی ضرورت'' کے عنوان سے ایک مضمون پڑھا جس میں وہ تحریر کرتے ہیں:

''ندوہ جس قسم کے علماء اپنے مدرسہ میں تیار کرانا چاہتا ہے وہ اس اسکیم سے ظاہر ہے کہ یہاں کے طلبہ درجہ عالیہ یا درجہ تکمیل کے بعد تالیف وتصنیف میں مشغول ہوں اور ایک بڑے پیمانے پر صیغہ تالیف وتصنیف قائم کیا جائے جس سے علوم وتاریخ اسلام کا احیاء ہو لیکن ظاہر ہے کہ یہ کام اسی وقت پورا ہوسکتا ہے جب ندوۃ العلماء کے احاطہ میں ایک عظیم الشان کتب خانہ ہو، جس میں تمام نادر تصنیفات موجود ہوں، اردو زبان کی بہترین مذہبی لائف الفاروق ہے لیکن حضرات آپ کو معلوم ہے کہ یہ پانچ سو صفحوں کی کتاب ہندوستان، مصر، قسطنطنیہ کے تمام کتب خانوں کو کھنگال کر لکھی گئی ہے، یہ امر بدیہی ہے کہ ہر مصنف کو یہ فرصت ووسعت نہیں مل سکتی کہ وہ ایک ایک تصنیف کی خاطر تمام روئے زمین کا سفر کرے، یہی وجہ ہے کہ ہمارے ملک میں عمدہ تصنیفات شاذ ونادر شائع ہوتی ہیں، اگر قوم ندوۃ العلماء کے اقتدار میں ایک ایسا کتب خانہ تیار کردے جو تمام ضروری اسلامی تالیفات کو محیط ہو تو یقیناً یہ کہا جاسکتا ہے کہ مفید تالیفات کا ذخیرہ اردو زبان میں نہایت آسانی سے جمع ہوجائے اور خصوصاً اس اسکیم کی قوت سے فعل میں آنے کی صورت پیدا ہوگی کہ ممتاز طلبائے دارالعلوم کا ایک حصہ صیغہ تالیف وتصنیف

کے لئے وقف کیا جائے جس کی قوم کو اس وقت نہایت ضرورت ہے۔

دارالعلوم کی جدید عمارت میں اس کتب خانہ اعظم کے مناسب شان ایک بلند عمارت تیار کی جائے جس میں کتب خانے کے سوا ایک وسیع کمرہ ارباب قلم و مصنفین کے لئے بنایا جائے جس میں قوم کی ایک جماعت تالیف وتصنیف میں مشغول ہو، مادری زبان کو جس کا گہوارہ طفولیت یہی دہلی ہے، ان تصنیفات کے ذریعہ سے ترقی دی جائے" (۱۵)۔

اوپر گزر چکا ہے کہ مولانا نے اپنا کتب خانہ ندوۃ العلماء کو نذر کر دیا تھا اس کے بعد ان کے پاس جو کتابیں اکٹھا ئیں یا جب سیرت النبی کی تالیف کا عزم مصمم کر لیا تو پھر ان کی توجہ اس طرف ہوئی کہ نایاب وقلمی کتابیں جمع کریں، سیرت، .یخ وطبقات کی کتاب حاصل کریں اور مصنفین یورپ نے جو کتابیں سیرت میں لکھیں ہیں ان کو یک جا کریں، اس طرح پر کتابوں کا اچھا ذخیرہ مہیا ہو گیا تھا جو دارالمصنفین کے کام آیا۔

حقیقت یہ ہے کہ کتابوں سے مولانا کو بڑا شغف تھا اور ان کا بڑا وقت ان کے مطالعہ میں گزرتا تھا، کشمیر (۱۶) کے سفر سے واپس آنے کے بعد وہ سخت بیمار ہو گئے تھے، لیکن اس حالت میں مطالعہ برابر جاری تھا، اس زمانے میں اکثر صدرا دیکھا کرتے تھے، ایک دفعہ اعظم گڑھ میں سخت طاعون آیا، مولانا کے صاحب زادے محمد حامد صاحب بھی اس میں مبتلا ہوئے، سارے لوگ شہر سے باہر چھپروں میں رہنے لگے مولانا بھی مع فرزند، شبلی منزل چھوڑ کر چھپر میں مقیم تھے، ایک روز اسی حالت میں محقق طوسی کی اشارات دیکھ رہے تھے، محقق طوسی نے امام رازی پر ایک اعتراض کیا تھا جو مولانا کو غلط معلوم ہوا، باوجود یکہ شہر میں طاعون تھا اور بنگلہ بند تھا، لیکن فوراً اٹھے اور بنگلہ کھول کر محاکمات نکالی اور اس میں دیکھا تو واقعی محقق طوسی کا اعتراض غلط تھا۔

مولانا ہر چیز میں ترتیب ونظام کو پسند کرتے تھے لیکن کتابیں کمرے میں ادھر ادھر بے ترتیب پڑی رہتی تھیں، یہ بے ترتیبی اگرچہ ان کو ناگوار تھی لیکن فرماتے تھے کہ کیا کیا جائے، اگر کتابوں کو مرتب رکھوں تو مطالعہ میں خلل واقع ہو۔

مولانا شبلی، صاحب تصانیف کثیرہ تھے اس سے لوگوں کو خیال ہوتا ہوگا کہ وہ زیادہ وقت تصنیف وتالیف میں صرف کرتے رہے ہوں گے، لیکن واقعہ یہ ہے کہ وہ صرف ایک دو گھنٹے تصنیف وتالیف میں مشغول رہتے تھے اور صرف صفحے دو صفحے تک لکھتے تھے بقیہ اوقات کتب بینی میں صرف ہوتے تھے فرماتے تھے کہ "میں تنہائی میں کبھی بغیر کتابوں کے نہیں بیٹھ سکتا، مولوی وحیدالدین سلیم جس زمانے میں لکھنو میں مسلم گزٹ کے ایڈیٹر تھے وہ امین آباد پارک میں مولانا کی قیام گاہ کے پہلو میں رہتے تھے، وہ کہتے تھے کہ "مولانا شبلی کیوں قاق ہو گئے ہیں، میں جب جاتا ہوں کبھی ان کو بے کار نہیں پاتا، ہر وقت کتابیں الٹا پلٹا کرتے ہیں، یہ صحت کے لئے سخت مضر ہے، مولانا عبدالحئی مرحوم فرنگی محلی کو اسی کی بدولت صرع کا عارضہ ہوا اور وہی ان کی موت کا سبب ہو گیا"۔

جب کسی نئی اور نادر کتاب کا پتہ چلتا تو اسے دیکھنے کے لئے بے تاب ہو جاتے، بمبئی کی جامع مسجد میں ایک مختصر کتب خانہ ہے، ایک بار مولانا بمبئی تشریف لے گئے تو مولانا عبدالسلام ندوی مرحوم بھی ان کے ساتھ تھے، ان سے فرمایا کہ

جا کر اس کتاب خانہ کو دیکھ آؤ اور اگر کوئی نادر اور قلمی کتاب ہو تو اس کا نام لکھ لاؤ، وہ چند کتابوں کے نام لکھ لائے، انہی کتابوں میں قفال کی کتاب محاسن الشریعہ کا نام بھی تھا۔ قفال بہت بڑے متکلم ہیں اور عقلی طرز پر قرآن مجید کی تفسیر کی ہے، تفسیر کبیر میں جابہ جا ان کے اقوال مذکور ہیں اور مولانا نے ان کو علم کلام کے بانیوں میں قرار دیا ہے اور علم کلام اور الکلام میں ان کے جستہ جستہ اقوال سے جو تفسیر کبیر میں مذکور ہیں، فائدہ اٹھایا ہے، مولانا نے ان کی کتاب کا نام پڑھا تو شوق کے لہجہ میں فرمایا کہ یہی ایک کتاب دیکھنے کے قابل ہے اور دوسرے روز خود گئے اور اس کو دیکھا۔

ان واقعات سے اندازہ ہوتا ہے کہ مولانا شبلی علم و مطالعہ کے کتنے حریص تھے اور کتاب اور کتاب خانوں سے ان کو کس قدر عشق تھا۔

حواشی: (۱) حیات شبلی، ص: ۱۱۰، معاف پریس اعظم گڑھ، طبع چہارم، ۱۹۸۳ء (۲) ایضاً، ص: ۷۸۲ (۳) علامہ نے ابتداء میں وکالت اور کچہری میں نقل نویسی کا کام بھی کیا تھا اور کچھ دنوں "امین" بھی رہے تھے (۴) حیات شبلی، ص: ۱۳۷ (۵) حیات شبلی، ص: ۳۶، ۳۷ (۶) حیات شبلی، ص: ۱۴۶ (۷) ایضاً، ص: ۷۸۵ (۸) حیات شبلی، ص: ۱۷۳ تا ۱۷۸ (۹) سفر نامہ روم و مصر و شام، ص: ۸ (۱۰) بحوالہ حیات شبلی، ص: ۷۸۴ (۱۱) حیات شبلی، ص: ۲۱۴، ۲۱۵ (۱۲) ایضاً، ص: ۲۱۵ (۱۳) حیات شبلی، ص: ۷۸۹ (۱۴) ایضاً، ص: ۶۹۰ (۱۵) بہ حوالہ حیات شبلی، ص: ۶۹۱ (۱۶) یہ اور بعد کے واقعات حیات شبلی سے ماخوذ ہیں، ملاحظہ ہو، ص: ۷۸۶ تا ۲۸۸۔

☆.....☆.....☆

گرامی قدر حضرت مہتمم صاحب زید مجدہم ..... السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

امید ہے مزاج گرامی بخیر ہوں گے!

وفاق المدارس العربیہ پاکستان کا نظام کمپیوٹرائزڈ کیا جا رہا ہے۔ جس میں ہر جامعہ/ مدرسہ کا مکمل ریکارڈ شامل کیا جائے گا۔ آنجناب سے گزارش ہے کہ اپنے جامعہ/ مدرسہ سے ملحق شاخوں کی تفصیل فوری طور پر ارسال فرمائیں جس میں نام شاخ، مکمل پتہ، ٹیلی فون نمبر وغیرہ درج ہوں تاکہ ریکارڈ مکمل کیا جا سکے۔ اپنے جامعات و مدارس سے متعلق معلومات اگر "سی ڈیز" کی صورت میں بھیج دیں تو ادارہ کو زیادہ سہولت ہوگی۔ والسلام

محمد حنیف جالندھری
ناظم اعلیٰ وفاق المدارس العربیہ پاکستان
۱۰/شوال المکرم ۱۴۲۵ھ/۲۳ نومبر ۲۰۰۴ء